© rasailojaraid.com

حقیقی ترقی کے اسباب اور اسلام

(از: ڈاکٹر سید مسعود احمد، شعبہ بایو کیمسٹری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

آج سیکڑوں لوگ حقیقی ترقی کا دم بھرتے ہیں اور ترقی و مادی ارتقاء کی وکالت کرتے ہیں۔ اور ـــــ ان دعووں کی آڑ میں اسلام کو تضحیک و توہین کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ حضرات خود کو "ترقی پسند" اور "ترقی یافتہ" سمجھتے ہیں ـــــ اور ـــــ حقیقی ترقی کے تنہا مبلغ و علمبردار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے ان بلند بانگ دعووں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے۔

ان "ترقی یافتہ" حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ علم و عقل میں ارتقاء ہوا ہے اور اسی علم و عقل میں ارتقاء کے سبب تہذیب و تمدن میں ہمہ جہتی ترقی ہوئی ہے لہٰذا فرسودہ اور غیر عقلی بنیادوں پر تعمیر شدہ مذہب (RELIGION) کے خول سے نکل کر باہر آنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے ایمان و عقائد (FAITH AND BELIEF) کو ماننے سے اس لیے انکار کر دیا کیونکہ اس میں عقل کو دخل ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ ایمان و عقیدہ اس زمانہ کی باتیں ہیں جب علم نے ترقی نہیں کی تھی، آج نہ ایمان کی ضرورت ہے اور نہ عقیدہ کی۔ لہٰذا مذہب کی وہی بنیادیں ان کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہیں جو انسانی عقل میں اسکیں، بابائی ادوار ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزدیک قابلِ انکار رہی ہیں۔ گویا حقانیت کا معیار اور ترقی کا اصل سبب انسانی عقل ہی ہے اب انسانی عقل نے خدا کی جگہ اختیار کر لی ہے اور اس طرح ——— بہت سی ——— پرستشوں کے ساتھ "عقلیت پرستی" (RATIONALISM) بھی وبائے عام کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ تو خصوصاً اس کے دام میں بُری طرح پھنس چکا ہے۔ آج ملائیت اور (FUNDMENTALISM) ایک گالی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف ملحد سائنسدانوں کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور سائنس کی روشنی میں اندھی تقلید (BLIND FAITH) اور غیر مشاہداتی دنیا کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ کا گویا جرأت مندانہ اقدام یہ ہوتا ہے کہ خدا کو ایک واہمہ اور آخرت کی زندگی کو بیوقوفی کا خیال کہہ دیا جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) ان خیالات کی تبلیغ کا ایک طریقہ دورِ جدید کی "ظاہری و دلفریب ترقی" ہے ——— اور اس مسحور کن ترقی (؟) کے محرک و ضامن زمانہ حال کے مادّی فلسفہ ہائے حیات ہیں۔ اس لیے ان کو مِن وعَن مان لیا جاتا ہے ——— ان کو ماننے کی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ یہ فلسفہ ہائے حیات دورِ جدید کے ترقی یافتہ ذہنوں نے زمانہ حال کی ضروریات کے مطابق ترتیب دیے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ جو لوگ علم و عقل کو صحیح و غلط کا معیار سمجھتے ہیں، ان کی رعایت رکھتے ہوئے حقیقی ترقی کے اسباب پر علمی تجزیہ پیش کیا جائے۔ مثلاً علم کے وہ کیا ذرائع ہیں جن کی روشنی میں انسان اپنی زندگی کا سفر شروع کرتا ہے ——— اور وہ ذرائعِ علم انسان کو کن کن منازل تک پہنچا سکتے ہیں؟ نیز محرکاتِ عمل کیا ہیں اور انسان کو ترقی کے منازل طے کرنے میں کہاں تک سود مند ثابت ہو سکتے ہیں ——— اور ان سب پر مستزاد یہ کہ ——— ترقی کی آخری منزل کیا ہو ——— کہ جہاں تک پہنچنے کے لیے انسان تگ و دو کرے تو اس کی راہ کا ہر سنگِ میل اس کی حقیقی ترقی کا [illegible] اور ضامن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن جائے۔ اس کی راہ کی جملہ رکاوٹیں اس کے پایۂ عزم کو ڈگمگا نہ سکیں۔ اس کی ترقی کے سفر میں تنزل کا شائبہ تک نہ ہو۔ ایسی ترقی ہمہ جہتی ہو۔ اور ــــ دنیائے انسانیت کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو۔ دنیا کا کوئی شخص بھی اس فرد مخصوص (PERSON CONCERNED) کی ترقی کے اسباب سے پریشان نہ ہو۔ یا بالفاظِ دیگر اس کی ترقی سے کسی فرد واحد کے سکون پر زد نہ پڑتی ہو۔

بیشک وہ منزل ایک مثالی (IDEAL) منزل ہوگی جس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ اور ــــ یہ بات مسلّم ہے کہ ہر منزل کا انسان پہلے تصوراتی خاکہ ہی بناتا ہے اور اس کے بعد ہی عملاً گامزن ہوتا ہے۔

حقیقی ترقی کے وسیع معنیٰ و مفہوم

انسان جدّت و عجلت پسند واقع ہوا ہے اور اپنی موجودہ صورتِ حال سے بلندی کی جانب پیش قدمی اس کا فطری طرۂ امتیاز ہے۔ جدّت پسندی، عجلت پسندی اور میلان برفعتِ بلندی، انسانی وجود کو فطری طور پر ارتقائے حقیقی کی جانب تحریک بخشتے ہیں۔ یہ فطری احساس ارتقاء اس کی ترقیوں کی کنجی ہے۔ عربی زبان میں "ترقی" کا مفہوم "بلندی پر چڑھنا" ہے۔ حقیقی ترقی بلندی سے عبارت ہے اور اس میں ایک پہلو زمانی تقابلہ (COMPA-RATIVE ANALYSIS WITH RESPECT TO TIME) کا بھی ہے۔ یعنی گذشتہ سے پیوستہ کی جانب بلندی کی جانب پیش قدمی۔ مزید برآں حقیقی ترقی کے مفہوم میں جمود کے بجائے مثبت تحریک و حرکت کا پہلو بھی شامل رہتا ہے۔ بالفاظِ دیگر حقیقی ترقی کسی منزل کا نام نہیں بلکہ یہ مزید رفعت و بلندی کی جانب سمت سفر ہے۔

یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ انسانی ترقی کے مفہوم میں انسانی جسم و ذہن کی بہتر حالت ہی شامل نہیں بلکہ اس کی روح و اخلاق کی بلند کیفیت بھی آتی ہے۔ دوسری طرف ترقی کا مفہوم اپنے اندر انفرادیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اپنے جامع مفہوم میں اجتماعیت پر بھی حاوی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا حقیقی ترقی کے ضمن میں ہر فرد کا جسمانی و ذہنی اور اخلاقی و روحانی ترقی کا تجزیہ بھی کیا جانا چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر معاشرتی و سیاسی اور معاشی و ثقافتی ارتقاء کو زیرِ بحث لانا بھی ناگزیر ہے۔

کچھ لوگ جدّت و سرعت ہی کو ترقی کا معیار سمجھتے ہیں جبکہ یہ دونوں صفات اس کی (ترقی کی) فطری صفتِ رفعت کو تحریک بخشنے میں تو بیشک معاون ہیں مگر ترقی کا اصلی معیار تو اس کی رفعت و بلندی ہی ہے۔

انسان کی جسمانی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ انسان جسمانی طور بلندی کی جانب پیش قدمی کرے۔ اس کے اعضاء، اس کی قد و قامت، اس کی قوت مدافعت، اس کی مدتِ عمر (LIFE SPAN) وغیرہ گذشتہ سے بہتر حالت پر ہوں۔ انسانی ذہن و فکر کے ارتقاء و ترقی کے معنی ہیں کہ انسان میں سوچنے، غور و فکر کرنے اور کسی امر کو دماغی طور پر سمجھ لینے میں پہلے سے آسانی ہوگئی ہو۔ اس کی قوتِ حافظہ، قوت فیصلہ، قوت استنباط اور قوت ارادی میں وسعت و بلندی پیدا ہوئی ہو۔ روحانی ترقی کے معانی ہیں کہ انسان نفسیاتی طور پر گزشتہ سے زیادہ پرسکون زندگی گزار رہا ہو۔ وہ اپنے نفسیاتی وجود سے مزید مطمئن ہوتا جائے۔ اس کی اپنے مقصد وجود کے بارے میں، اس کائنات کے بارے میں، دوسری مخلوقات کے مقصد تخلیق کے بارے میں ایسا جواب شافی مل گیا ہو کہ وہ اس کی اطمینانِ قلب کی جانب مستقل بڑھ رہے ہو اور اس کی نفسیاتی ضرورتوں کو بہتر سے بہتر نفسیاتی غذا میسر ہو رہی ہو۔ اخلاقی ترقی انسان کے قلب و دماغ کی اس کیفیت سے عبارت ہے جس کے ذریعہ کوئی انسان دوسرے انسانوں کو کوئی اہمیت دیتا ہے۔ اگر اس کو دوسرے لوگوں کی تکلیف و پریشانی اور خوشی و غم کا اندازہ رہے تو یہ حُسنِ اخلاق کو جلا بخشتا ہے۔ جب وہ دوسرے لوگوں کی قلبی کیفیات کی تطبیق اپنے قلب سے کرتا ہے۔ دوسروں کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو خود اپنے لیے اور اپنے عزیز رشتہ داروں کے پسند کرتا ہے [illegible] کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ پہنچانے کا خواہش مند ہوتا جاتا ہے لہٰذا اگر اس کی ان کیفیات میں زیادتی ہو رہی ہے تو یہ اخلاقی ارتقاء کی نشانی ہے۔ رہی مادی ترقی تو وہ سائنس و ٹکنالوجی کی سہولیات و ایجادات میں اضافہ سے عبارت ہے۔

اس لیے انسانوں کی حقیقی ترقی "اپنے وسیع و جامع مفہوم میں مندرجہ بالا تمام امور پر حاوی ہے۔ علاوہ بریں انسانی ترقی کے ضمن میں یہ بھی ناگزیر ہے کہ اس کی انفرادی و اجتماعی ترقیوں اور مادی و روحانی نیز فکری و اخلاقی ترقیوں میں آپس میں کوئی تعارض و نزاع (clash) نہ ہو۔ بلکہ ایک دوسری سے تحریک و غذا حاصل کر رہی ہوں ——— اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ ان میں توازن و ہم آہنگی بھی ہو اور جدت و سرعت بھی۔

چند نفسیاتی امور اور انسانی ارتقاء

موضوع پر براہ راست بحث سے پیشتر چند نفسیاتی امور کی طرف توجہ دلانا آگے کی بحث کو سمجھنے میں شاید معاون ثابت ہو۔ موضوع کی تفہیم کے پیش نظر انسانی وجود کو نفسیاتی طور پر دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ یعنی جبلی وجود (INHERITED ENTITY) اور شعوری وجود (INTELLECTUAL ENTITY)[1]

---

[1] شعوری وجود سے ہماری مراد انسان کے حواس اور خارجی عوامل کے عمل و ردعمل INTERACTION سے پیدا شدہ علم ہے جس کو عقل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں انسان کے ذہن پر حواس اور خارجی عوامل کے عمل، ردعمل سے ایک خاکہ مرتسم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو شعوری وجود کہا گیا ہے۔

جبلی وجود سے ہماری مراد وہ کیفیات ہے جن کو انسان عقل و حواس کے سہارے کے بغیر محسوس کرتا ہے اور اندرون وجود سے ان کیفیات کی تحریک ہوتی ہے۔ یہ کیفیات لاشعور (UNCONSCIOUS — MIND) میں ثبت ہوتی ہیں۔ جبلی وجود کو مزید کئی ذیلی اقسام میں بانٹا جاسکتا ہے۔ جن میں وجدان (INTUITION) اور جذبات (EMOTION) خاص طور پر ہماری بحث کا موضوع ہیں۔ جذبات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانی ترقی کے لیے جہاں علم وعقل کی ضرورت ہے تو وجدان وجذبات بھی کم اہمیت کے حامل نہیں (جیسا کہ ذرائع علم کی بحث میں آگے تفصیل آئے گی)۔ جہاں تک سائنسی علوم و تجربات کی روشنی میں صحیح فیصلے کرنا ترقی کے ضامن ہیں وہاں وجدانی احساسات اور جذباتی تسکین سے عمل میں تحریک و سرعت پیدا ہونا بھی ایک بدیہی حقیقت ہے۔ انسان جذباتی تسکین کی بنا پر خطرے سے پر خطر مواقع اور پریشان کن حالات کے درمیان بھی اپنی منزل پر گامزن رہتا ہے۔ ہر معاملہ میں علم وعقل ہی کو منبع سمجھتے رہنے سے مصلحت پسندی بلکہ مصلحت پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان میں خطرات میں کودنے کا حوصلہ وجرأت پیدا نہیں ہوتی۔ البتہ جذبات کو بھی کچھ بندشوں میں جکڑنا ناگزیر ہے۔ یہ حدود وقیود اس کی صحیح راہ اور سمت سفر (DIRECTION) کے تعین میں معاون ثابت ہوتی ہے اور کامیابی کی ضامن بھی۔

جذبات کی صحیح راہ متعین کرنے والی وہ حدود وقیود کیا ہوں؟ آیئے غور کیجئے کہ

ے اور وجدان میں لطیف فرق یہ ہے کہ وجدان (INTUITION) اُس جبلی علم۔ (INSTINCTIVE KNOWLEDGE) کا نام ہے جو لاشعوری طور پر اندر سے گواہی دیتا ہے کہ فلاں امر اس طرح ہے۔ اس کیلئے خارجی علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جبکہ جذبات جبلی تحریک و احساسات (INHERITED INCENTIVES AND STIMULI) سے عبارت ہیں۔ یہاں انسان خارجی ماحول سے متأثر رہتا ہے۔ جذبات کا جبلت سے اتنا تعلق تو بہرحال رہتا ہے کہ انسان میں اگر یہ احساسات بالقوہ (POTENTIALLY) نہ ہوں تو بالفعل (IN ACTION) میں تبدیل نہیں ہو سکتے مگر خارجی اثرات جذبات پر اکثر حاوی رہتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر جذبات اور وجدان میں تعلق یہ ہے کہ وجدان جبلی احساسات کا محرک (INITIATOR) ہے جذبات اس کیفیت کو مزید تحریک بخشنے یا ابھارنے [illegible] (CARRIER AND CATALYST) کا کام کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں وجدان فطرت انسانی کی آواز ہے جبکہ جذبات فطرت [illegible] نفسیاتی جواب ——— (PSYCHOLOGICAL RESPONSE OF INTUITION)

علم کی نسبت سے عقل اور وجدان کا تعلق [illegible] (RATIONAL KNOWLEDGE) اور [illegible] (INSTINCTIVE KNOWLEDGE) کے مترادف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرعت و تیزی کے لحاظ سے جذبات دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک قسم کے جذبات تو وہ ہیں جو انسان پر بہت تیزی سے طاری ہوتے ہیں اور عموماً جلدی زائل بھی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً غصہ، ہنسی وغیرہ۔ اس قسم کے جذبات کو وقتی جذبات (Instant and intense emotions with quick reaction) کہا جا سکتا ہے۔ جذبات کی دوسری قسم وہ ہے جن کی کیفیت انسان دیر تک محسوس کرتا ہے اور ان میں اتنی سرعت بھی نہیں ہوتی مثلاً نفرت، عداوت، محبت، خوشی، رنج وغیرہ۔ ان کو ہم غیر وقتی جذبات (LESS INTENSE EMOTIONS WITH DELAYED RESPONSE) کہا جا سکتا ہے۔

وقتی جذبات علم و عقل کی بندشوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور ان کا نتیجہ تخریب (DESTRUCTION) کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ غیر وقتی جذبات کی باگ ڈور وجدان اور ماحول کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔ ان جذبات کا نتیجہ تعمیر یا تخریب کسی بھی شکل میں نکل سکتا ہے۔ شرائط یہ ہیں ——— کہ اگر جذبات کی سمت منفی ہو اور ——— انسانوں کی ذات سے تعلق رکھتی ہو تو نتیجہ تخریب (Destruction) پر ——— اور ——— مثبت سمت اور انسانوں کی مفاد کے تعلق سے فیصلہ و عمل تعمیر پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا جذبات کی صحیح رہنمائی کے لیے چند امور ہمیشہ قابل غور رکھنا چاہئیں۔

جذبات کی صحیح راہ متعین کرنے والی وہ حدود و قیود یہ ہیں کہ ———

اولاً۔ جذبات کی رَو اپنے ذاتی فائدہ تک محدود نہ ہو بلکہ جملہ انسانیت کیلئے فائدہ مند ہو۔

ثانیاً۔ وہ فائدہ وقتی نہ ہو بلکہ دیرپا ہو۔

ثالثاً۔ ان جذبات پر عمل پیرا ہونے کے بعد نتیجتاً "روحانی سکون" کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو نہ کہ مادی سکون و لذت کی شکل میں۔

مندرجہ بالا بحث میں انسانی وجود کی تعمیر و ترقی میں جذبات کا رول اختصاراً پیش کیا گیا ہے۔ (وجدان کی بحث آگے آ رہی ہے)۔ آیئے ذرا ان حقائق کی روشنی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید مادی نظریات حیات کا تجزیہ ہیں۔ فرائڈ (SIGMUND FREUD) کے حامی تنگ نگ کی تگ و دو کا محور جنسی خواہشات کی آزادانہ تکمیل (FREE SEX) ہی کو بتاتے ہیں اور آزادانہ اختلاط مرد و زن ہی ان کی نظر میں انسانی ترقی کا ضامن بھی ہے۔ جبکہ مارکسی نظریہ (MARXISM) کی بنیاد نفرت و عداوت پر کھڑی ہے۔ اور اس کا طرۂ امتیاز ہے سرمایہ داروں سے نفرت اور انتقام۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں فلسفے ان جذبات کو ذاتی اور وقتی فائدہ نیز مادی سکون و لذت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ انسانی وجود کی تعمیر و ترقی کے بجائے تنزل و تخریب پر منتج ہوگا۔

اب رہا روحانی مذاہب (SPIRITUAL RELIGIONS) کا معاملہ ـــ تو بیشتر مذاہب جذبات کو مردہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اسلام کی رو سے فطری جذبات اور احساسات خالق کائنات نے عظیم حکمت و مصلحت اور خیر کلی کے پیش نظر بنا تے ہیں۔ اس لیے اسلام جذبات و احساسات کی نہ تو بالکلیہ نفی کرتا ہے اور نہ کلی اثبات یعنی نہ تو وہ تمام جذبات کو مردہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور نہ بے لگام جذباتیت کا حامی ہے۔ بلکہ کچھ حدود و قیود قائم کر دیتا ہے تاکہ ان جذبات کو صحیح سمت سفر (Right direction) بھی مل سکے اور اخفاء (SUPRESSION) سے پیدا شدہ نفسیاتی خرابیاں بھی نہ پنپ سکیں ـــ اور ـــ انسان اپنی بلند ترین منزل کی طرف تیزی سے گامزن ہوکر حقیقی سکون و لذت اور حقیقی ترقی کی منزل تک بھی پہنچ سکے۔ اسلام کی رو سے جذبات کی صحیح راہ متعین کرنے والی حدود وہی ہیں۔ جو اوپر بیان ہو چکیں۔

محرکات عمل اور حقیقی ترقی

اب آیئے غور کریں کہ محرکات عمل کے لیے علم (KNOWLEDGE) کے کیا کیا ذرائع ہیں۔

اور ان ذرائع علم (MEANS OF KNOWLDGE) کو استعمال کرتے ہوئے انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک ترقی کر سکتا ہے۔ نیز یہ ذرائع انسان میں ترقی کی کن منازل تک پہنچنے کی صلاحیت و استعداد پیدا کرتے ہیں۔

موضوع کی تفہیم کے لیے اسباب علم (MEANS OF KNOWLEDGE) کے چار معیارات (STANDARDS) وضع کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا درجہ ظن و قیاس (SUPERSTITIVE KNOWLEDGE) کا ہے۔ یہ صرف خیالی اور وہمی ذریعہ علم ہے۔ سنی سنائی باتوں کے علاوہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ اس علم ۱ کے ذریعہ انسان متذبذب اور شکوک وشبہات میں گھرا رہتا ہے۔ ٹھوس دلائل نہ ملنے اور خلاف فطرت ہونے کی وجہ سے اس کو حقیقی سکون نہیں مل پاتا۔ شکوک وشبہات کی وجہ سے ذہنی انتشار کا شکار رہ کر ذہنی ترقی کی معراج کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ مادی طور پر کوئی تعمیری کام انجام دے سکتا ہے کیونکہ ہر تعمیری کام اخلاص و یکسوئی چاہتا ہے۔

علم (Knowledge) کا دوسرا معیار عقلیت (Rationality) کا ہے۔ یہ ذریعہ علم عقلی دلائل (Rational approach) پر مبنی ہوتا ہے یعقل در حقیقت خارجی واقعات (PHYSICAL PHENOMENA) سے اخذ کردہ ذہنی خاکہ ہے۔ یہاں پر مسائل کو براہِ راست عملی تجربہ تو نہیں ہوتا مگر اس سے ملتا جلتا کوئی دوسرا واقعہ حافظہ میں محفوظ ہوتا ہے جس کی روشنی میں انسان اپنا استدلال قائم کرتا ہے۔ عقل وہاں تک ہی رہنمائی کرتی ہے جہاں تک انسان کے حواس و ادراک کی حدود ہیں، یا جہاں تک کسی مسئلہ سے متعلق دوسرے مسائل کا براہ راست مشاہدہ ہو چکا ہوتا ہے۔ مثلاً

---

۱ یہاں علم سے مراد "العلم" یعنی حقیقی علم نہیں۔ ظن وقیاس کو علم کہنا علم کی توہین ہے۔ مگر چونکہ کچھ لوگ ظن وتخمین کی بنیاد پر ہی اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کرتے ہیں لہٰذا اس ذریعہ کو بھی ذریعۂ علم یہاں میں شامل کر لیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان مشاہدہ کرتا ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر جامد رہتی ہے إلاّ یہ کہ اس کو کوئی صاحبِ قدرت شخصیت حرکت میں نہ لائے۔ اس لیے وہ عقلی طور پر یہ اخذ کرتا ہے کہ کائنات کی تمام تحریک و حرکت کسی صاحبِ قدرت ہستی کے ذریعہ ہی ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح عقلی استدلال انسان کو تشکیک و تذبذب سے نکال کر ذہنی سکون کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ مگر ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عقل کی رہنمائی یہ ہے کہ "فلاں امر یوں ہونا چاہیئے" جبکہ انسان کی بھرپور عملی تحریک کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ذہن پوری طرح تسلیم کرلے کہ "فلاں بات کا جواب یہ ہی ہے" یا "یوں ہی ہے"۔ لہٰذا ــــــ عقل کی رہنمائی میں وہ عزم تو کرلیتا ہے مگر کسی کام کی تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

علم کا تیسرا ذریعہ تجرباتی ثبوت (EXPERIMENTAL PROOF) پر مبنی ہے۔ جس کے ذریعہ کسی امر کا براہ راست مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اس دلیل کے بعد انسان میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ــــــ کیونکہ انسان اپنے حواس پر یقین رکھتا ہے ــــــ اور انسان کی عقل میں اس کے حواس سے زیادہ وزنی گواہ مشکل ہی سے مل پاتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ انسانی عقل کی رو سے اس کے حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی گواہ ہے ہی نہیں۔ لہٰذا انسان ــــــ ظاہری ثبوتوں کی روشنی میں منزل کی تعیین ہی نہیں کرتا بلکہ اُن منزلوں کی طرف عملاً گامزن بھی ہو جاتا ہے ــــــ مگر ذرا ٹھہریئے! ــــــ وہ ان ظاہری ثبوتوں (PHYSICAL PROOFS) کی روشنی میں مشاہداتی دنیا یعنی عالمِ طبعیات (Physical world) کی حدود سے آگے نہیں بڑھ پاتا ــــــ اس لیے اس کی معراجِ کمال یا منزلِ ترقی ــــــ اسی دنیا کی حدود تک مقید رہتی ہے اور ــــــ وہ حقیقی معراجِ کمال تک نہیں پہنچ سکتا ــــــ اس کے علاوہ مشاہداتی دنیا کی آخری منزل موت (DEATH) ہے۔ اس لیے ــــــ چاہے اس کے عزائم کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، موت کے ڈراوے اور دھمکی سے اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام سرگرمیاں سرد پڑ جاتی ہیں ——— نیز مادّی وسائل تجرباتی دنیا ——— (EXPERIMENTAL WORLD) ——— کی اہم کڑیاں ہیں۔ لہٰذا مادّی وسائل کی کمی ہونے پر اس کے حوصلے پست رہتے ہیں ——— یہ دو بڑی وجوہات انسان کو اپنی بلند منزل تک پہنچنے میں مانع رہتی ہیں۔

علم کا چوتھا ذریعہ حقیقی ایمان (REAL FAITH) ہے۔ اس علم کا تعلق عقل کے بجائے وجدان (INTUITION) سے ہوتا ہے۔ البتہ جتنی عقل و وجدان میں ہم آہنگی و یکسانیت (COHERENCE) ہوگی۔ بالفاظ دیگر عقل و وجدان دونوں آپس میں کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں گے ——— اتنا ہی ایمان (FAITH) ——— علم الیقین سے آگے بڑھ کر عین الیقین کی سرحدوں کو چھوتا جائے گا۔ اور ——— اُس وجدانی کیفیت میں غیر مشاہداتی دنیا۔ عالم مشاہدہ کی شکل میں متصور ہوگی۔ تب اس کی منزل موت سے بہت آگے ہوگی ——— اس کی ترقیوں کی معراج دنیا سے ورا جہانوں میں ہوگی۔ موت کی دھمکی اس کے عزم و عمل کو متزلزل اور ڈگمگا نہ سکے گی ——— حقیقی مؤمن ترقی کی وہ راہ سر کرتا ہے جو دنیائے انسانیت کا اوج کمال کہی جا سکتی ہے ——— اس کے سامنے مادّی وسائل کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

جب تک کسی انسانی وجود میں کسی نظریۂ حیات کی حقانیت، ایمان و یقین کی حد تک پیوست نہیں ہو جاتی، وہ انسان دنیوی ترقی کی آخری منزل بھی سر نہیں کر سکتا۔ لینن (LENIN) کو بھی اپنے نظریہ اشتمالیت (SOCIALISM) پر "ایمان" تھا۔ اور وہ کسی نہ کسی درجہ میں علم کے چوتھے درجہ تک پہنچ گیا تھا جس کی واحد وجہ اس کا اپنے نظریہ سے وجدانی وجذباتی تعلق تھا اور یہ بھی عشق کی ایک منزل ہے۔

ایمان اور حقیقی ترقی، دو مثالیں

اب ہم چوتھے ذریعہ علم یعنی حقیقی ایمان کی بالاتری ثابت کرنے کے لیے دو تاریخی مثالیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کر رہے ہیں ـــــ تاریخی ثبوت بھی تجرباتی ثبوت ہی کے متوازی درجہ رکھتا ہے ـــــ کیونکہ حقائق کی دنیا میں وہ واقعہ انسانی کو تجرباتی ثبوت ـــ (EXPERI-MENTAL PROOF) ـــ ہی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔ شرط ایک ہی ہے کہ وہ واقعہ تاریخی طور پر یقینی دلائل سے ثابت ہو۔

پہلا واقعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پیش خدمت ہے۔ اس واقعہ کا ذکر موجودہ اناجیل (توریت وانجیل ـــ (OLD TESTMENTS NEW TESTMENTS AND GOSPELS) ـــ اور قرآن ـ سبھی کتب مقدسہ میں ملتا ہے ـــــ اور یہ یقینی حقیقت ہے کہ ـــــ تاریخی کتب سے بھی زیادہ مستند (AUTHENTIC) مذہبی کتابیں ہوتی ہیں ـــــ کیونکہ ـــــ ان کتابوں کی تحریف کے لیے طویل عرصہ اور شیطانی پلان درکار ہوتا ہے ـــــ ان کتابوں سے وجدانی لگاؤ ہونے کی وجہ سے ان کی غلطی و تحریف آسانی سے پکڑی جاسکتی ہے ـــــ اور ہر وقت ان کی تلافی ممکن ہے۔ ان کتب مقدسہ کے علاوہ ـــــ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ ہندو مذہب کی کتب مقدسہ میں (HINDU MYTHOLOGY) میں بھی ملتا ہے۔ حالانکہ ہندو مذہب اور مندرجہ بالا تینوں مذاہب میں بہت بڑا زمانی و مکانی فصل ہے۔

اب تو آثار قدیمہ کی کھدائی سے حاصل ہونے والے کتبات سے بھی اس اہم واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

واقعہ کا اہم نکتہ (CLIMAX) یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدائے واحد پر اتنا یقین تھا کہ تجرباتی ثبوت (EXPERIMENTAL KNOWLEDGE) کی ظاہری بھول بھلیوں کو روندتے ہوتے وہ آگ میں کود گئے ـــــ بظاہر آگ سب کو جلا دیتی ہے۔ مگر ادلاً ان کا عشق الٰہی کا وجدان اُن کو یقین دلا رہا تھا کہ یہ آگ کچھ نہیں ہے اور میرا خدا اس آگ کا خالق بھی ہے اور اس کی خصوصیات کا خالق بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثانیاً۔ اگر آگ اُن کو جلا بھی دیتی تب بھی ان کو اس موت سے خوف ہی کب تھا۔
ثالثاً۔ ان کی عشقِ الٰہی کی تپش دنیوی آگ سے زیادہ تیز تھی۔ "کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق" (اقبالؔ)
رابعاً۔ وہ اللہ کے غضب کو جہنم کی شکل میں محسوس کر رہے تھے جو کلمۂ ناحق کہنے پر مقدر ہوتا ہے
اور وہ اس نارِ جہنم کی بہ نسبت اس آگ کی کوئی حیثیت محسوس نہیں کر رہے تھے۔
خامساً۔ ان کی منزل تو جنت تھی جس کی طرف وہ پروانہ وار دوڑنا چاہتے تھے ـــــ اور
یہ وہ موقع تھا جبکہ ان کی منزل ان کو بالکل سامنے نظر آ رہی تھی ـــــ کیونکہ
ان کے ایمان کے مطابق حیاتِ اُخروی اور حیاتِ دنیوی کے درمیان موت ہی کا
پردہ حائل تھا۔ اور قریب ہی تھا کہ وہ پردہ ہٹ جاتے۔
مگر کیا ہوا! ـــــ اللہ تعالیٰ نے اُس جنتِ اُخروی سے پیشتر بھی دنیوی جنت
میں قدم رکھوا دیئے۔ جو گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ ربِ حقیقی اپنے مومن بندوں کو دنیا
میں بھی ضائع نہیں ہونے دیتا اور ان کو تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ حالانکہ ان مومن
بندوں کی منزل کبھی بھی دنیا نہیں ہوتی۔
آج ابراہیم علیہ السّلام کی اصلی منزل تو ایک دو نہیں بلکہ سات آسمانوں کی بلندیاں ہیں
دنیا میں ان کو قائد تسلیم کرنے والی آج بھی تین اُمتیں ہیں (یہودی، عیسائی، اور مسلمان)
ـــــ اور ـــــ ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ دنیا ان کے طفیل شرک کی ظلمتوں
(DARK AGES) سے نکل کر توحید کی روشنی میں آ گئی۔ دنیا کی ترقی کا یہ پہلا زینہ تھا جو
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ عالمِ وجود میں آیا۔

دوسری مثال

دوسری مثال نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کی جا رہی ہے۔ یہ
واقعہ بھی اتنا ہی مستند (AUTHENTIC) ہے کہ اگر اس کا انکار
کیا جاتا ہے تو بعید نہیں کہ وہ شخص تاج محل کے تاریخی ثبوت کو بھی نہ مانے۔ اور یہ کہے کہ
تاج محل مغل بادشاہ شاہ جہاں نے نہیں بنوایا بلکہ کسی اور (فلاں) نے بنوایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرکیف واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے کہ ایک دشمنِ رسول نے حضورِ اکرمؐ پر تلوار سونت کر کہا کہ محمدؐ! بتاؤ اب تمہیں کون بچائے گا ــــ اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین کے بے مثال حامل نے فرمایا۔ اللہ! ــــ چنانچہ اب اُس غیر متزلزل یقین کا رعب و دبدبہ ملاحظہ فرمائیے کہ تلوار اُس دشمنِ رسول کے ہاتھ سے گر گئی۔

اِن دونوں واقعات کے ذریعہ ہم کو دو مزید حقائق معلوم ہوتے ہیں۔

اولاً۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے خطرات (RISKS) ضروری ہیں۔ اور ــ حقیقی منزل کے لیے اِن تمام خطرات میں کودنا پڑتا ہے۔

ثانیاً۔ حقیقی منزل تک پہنچنے والے مسافر کو راہ کے خطرات و مشکلات اس کے پایۂ عزم میں جنبش نہیں لانے دیتے۔ اور ــ ان خطرات سے وہ بغیر کسی پریشانی کا اظہار کیے' آسانی سے گزر کر حقیقی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

اسلام جس ایمان کا متقاضی ہے وہ موت کے خوف ہی سے بے نیاز نہیں کرتا بلکہ اللہ کے ماسوا تمام ڈروں سے خلاصی بھی مل جاتی ہے۔ اور ــــ انسان اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے موقع پر وہ قول جو قرآن نقل کرتا ہے کہ۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) اسی معیتِ ربانی کے استحضار کی نشاندہی کرتا ہے۔ آپ کے ہتھیار تھے ــ "اللّٰہُ اَحَدٌ" پر حقیقی ایمان و یقین ــ اور ــ اس کی معیت کا استحضار۔

آیئے اب حضورِ اکرمؐ کی منزلِ مقصود معلوم کریں! آپ کی منزلِ مقصود کیا دنیوی منفعت یا مادّی ذرائع و وسائل کا حصول تھا؟ ــــ جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ یہ تمام لالچ و منافع سردارانِ قریش کی طرف سے مکہ ہی میں پیش کیے گئے ــ اور مدینہ میں آپ کی حیاتِ دنیوی کے آخری دور میں تو مادی ذرائع کے تمام دروازے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے یہ فیصلے تھے ۔ اور آپ ایک روحانی، اخلاقی، سیاسی، فوجی، اور سماجی قائد کی حیثیت سے پورے عرب کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے ۔ دنیوی ترقی کی آخری منزل جس کا کوئی بھی انسان زیادہ سے زیادہ تصور کرسکتا ہے وہ آپ کے قدموں تلے تھی ——— مگر آپ کی منزل تو وہ تھی کہ جب آپ کا دنیوی مشن پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو حضورؐ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ "ایک بندہ کے سامنے اس کے رب نے دنیا کی نعمتیں بھی رکھیں اور آخرت کی لذت والی نعمتیں بھی ۔ تو اس بندہ نے آخرت کی لذت والی نعمتوں کو پسند کیا" ——— نیز وفات کے وقت زبان مبارک پر تھا : "اللّٰھُمَّ الرَّفِیقَ الأَعلیٰ"۔

آپ نے دنیوی ترقی کی آخری منزل کے بارے میں تو ابھی پڑھا کہ حضورؐ کی مثال دنیائے انسانیت آج تک دینے سے قاصر ہے ۔ ایک غیر مسلم انگریز مصنف کی کتاب (THE HUNDRED) ہی اس کی آئینہ دار ہے ۔

اب تک تو ذکر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی ترقی کا ——— اجتماعی طور پر دنیائے انسانیت حضورؐ کے طفیل ترقی کے جس بام عروج پر پہنچی اس کی مثال بھی ناممکن ہے ——— سائنسی دور کی ابتدا صحیح معنوں میں حضور اکرمؐ کی بعثت کے بعد ہی ہوئی ہے ——— اور ——— یہ قرآن کی غور و فکر اور تحقیق و جستجو کی دعوت تھی جس نے ضمناً سائنسی تحقیق کا دروازہ کھولا ۔ جس کی وجہ سے مسلمان سائنسی علوم کے بام عروج کو پہنچ گئے ——— اور ——— مسلمانوں سے یہ علم مستعار لے کر یورپ نے دنیا میں پھیلایا ۔ اس حقیقت کو انگریز مصنف بریولٹ اپنی کتاب "تعمیر انسانیت" (MAKING OF HUMANITY) میں اس طرح ذکر کرتا ہے ۔

"جدید دنیا پر عربی تہذیب نے سب سے بڑا احسان کیا ہے ۔ اگرچہ اس کے ثمرات ذرا دیر سے سامنے آئے ۔ اسپین میں عربی ثقافت نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس معقولیت کو جنم دیا تھا۔ وہ اس تہذیب کے روپوش ہونے کے [illegible]
جلوہ گر ہوئی۔ صرف علم ہی نے یورپ کو زندگی نہیں بخشی۔ بلکہ اسلامی تہذیب
کے اور بھی بہت سے موثرات نے اپنی ابتدائی کرنیں مغربی زندگی پر ڈالی
ہیں۔ یورپی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے۔ جس کا مرجع یقینی طور پر اسلامی
ثقافت کے موثرات نہ ہوں۔ یہ موثرات نہایت وضاحت اور اہمیت کے
ساتھ جدید دنیا کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور جدید دنیا کی قوت یعنی طبعی علوم
اور بحث کے علمی انداز پر اثر انداز ہوتے ہیں۔"

اس اقتباس میں فاضل مصنف یہاں تک اعتراف کرتا ہے کہ۔

"یورپی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، کہ جس کا مرجع یقینی طور پر اسلامی
ثقافت کے موثرات نہ ہوں۔"

عرب قوم جو کہ دنیا کی جاہل ترین قوم تھی اور جن میں اکثریت ان پڑھ کی تھی۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں دنیا کی علمی و اخلاقی قیادت کی اہل ہو گئی ـــــ اور
ـــــ صدیوں علمی، اخلاقی، اور سیاسی امامت کرتی رہی۔

حضور اکرمؐ نے توحید کا ایسا پُرزور استدلال اور عملاً ثبوت پیش کیا کہ مشرکانہ عقائد
کو کھلم کھلا پنپنے کا موقع نہ رہا۔ اب تو شرک کو بھی توحید کے لبادے میں آنا پڑتا ہے۔ آپؐ
کے طفیل دنیا کو وہ مادی، روحانی، اخلاقی، تہذیبی اور ثقافتی ترقی نصیب ہوئی جس کو
رہتی دنیا تک "محمد الرسول اللہ" کا مرہونِ منت کہنا حق بجانب ہے ـــــ اور
دنیا درحقیقت زمانہ سیاہ یعنی قرونِ مظلمہ (DARK AGES) سے نکل کر علم حقیقی کی
روشنی میں مصروفِ عمل ہے۔

فرائڈ (FREUD) نے انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے سلسلے میں دنیائے
انسانی کو تین ادوار (PERIODS AND AGES) میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے تہذیب انسانی دورِ اول میں، توہمات اور مشرکانہ عقائد میں ملوث تھی۔ ہر وہ چیز جو کسی بھی حیثیت میں انسان کے لیے نافع و ضار ہو سکتی تھی۔ پرستش کے لائق تھی۔ اس دور کو وہ دورِ وحشت یا قرونِ مظلمہ (DARK AGE) کہتا ہے ——— دوسرا دور اس کی نظر میں وہ ہے جس میں ایک خدا کی پرستش ہونے لگی اور انسانوں میں توہمات اور مشرکانہ عقائد کم ہوتے چلے گئے۔ اس دور کو وہ دورِ مذہب (RELIGIOUS AGE) کہتا ہے۔ تیسرا دور اس کے تجزیہ کے مطابق سائنس کا دور ہے۔

ہمیں اس کے تجزیہ سے حالانکہ اتفاق نہیں۔ مگر صرف یہ عرض کرنا ہے کہ فرائڈ کو زمانۂ ماضی کے تہذیبی ارتقاء میں جو ادوار محسوس ہوتے ہیں ——— اس ضمن میں یہ تو ظاہر ہے کہ تہذیبِ انسانی نے ان تین ادوار کے درمیان (دو) اوقات میں انقلابی موڑ لیے ہوں گے ——— اور وہ ہر نیا موڑ کسی فردِ واحد کی نظریاتی تحریک اور انقلابی کاوشوں کا نتیجہ ہوگا۔ لہٰذا پانچ ہزار سالہ تاریخ کی روشنی میں ہماری ناقص رائے کے مطابق ——— دورِ وحشت سے دورِ مذہب کی طرف ترقیٔ انسانیت کا پہلا موڑ (TRANSITION) جس کا فرائڈ ذکر کرتا ہے ——— حضرت ابراہیم کے ذریعہ وجود پذیر ہوا ——— کیونکہ حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا بے مثال موحد اور انقلابی شخصیت تاریخ کے صفحات میں بھی محفوظ نہیں۔ حضرت ابراہیم کے بعد بہت سے نبیوں نے حضرت ابراہیم کے مشن کو آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین کی تکمیل ہوگئی ——— اور ——— سائنسی ارتقاء کے محرکِ اول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کے ذریعہ سائنسی دنیا کے آفتاب کا حقیقی طلوع ہوا۔ آپ سے پہلے سائنس ایک طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتی تھی۔ لہٰذا آپ ہی وہ واحد انقلابی شخصیت ہیں، جن کے ذریعہ حقیقی دورِ سائنس ——— (REAL SEINTIFIC AGE) کا آغاز ہوا۔

© rasailojaraid.com

گویا تہذیبی ارتقاء کے دونوں اہم موڑ ان دو انقلابی شخصیتوں ہی کے مرہون منت ہیں۔

آئیے اب غور کریں کہ ترقی کی بلند ترین منزل کیا ہو سکتی ہے۔ ہم یہاں انفرادی اور اجتماعی ترقی کی الگ الگ بحث کریں گے۔ اولاً انفرادی ترقی کی معیار پر غور کریں۔

انفرادی ترقی کی بلند ترین منزل : ایک مثالی (IDEAL) خاکہ

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ علم کی اعلیٰ ڈگریوں کا حصول یا علم کا حصول ہی انسانی ترقی کی معراج کی مقیاس ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر انسان علم کی اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کرلے تو کامیاب ترین انسان ہے ـــــ اس کے برخلاف کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کروڑپتی ہونا ہی ترقی کی آخری منزل ہے۔ گویا حصولِ زر ان حضرات کی نظر میں مقیاس ترقی ہے۔ ـــــ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ قیادت و امامت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونا ہی ترقی کی آخری منزل ہے ـــــ اکثر ایسا بھی سوچتے ہیں کہ اصل چیز ہے ذہنی سکون ـــــ اگر زندگی میں پائیدار انفرادی سکون میسر ہو گیا تو یہی انسانی ترقی کا ضامن ہے اور اطمینان کُلی ہی ترقی کی آخری منزل ہے ـــــ چند ایسے سرپھرے بھی ملتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ اگر انسان کی جملہ لذات و خواہشات کی تکمیل میں کوئی روک ٹوک نہ ہو اور اس کی ہر لذات و خواہشات پوری ہو جائے تو یہی ترقی کی آخری منزل ہو سکتی ہے ـــــ اکثر دانشوروں کا خیال ہے کہ یہ تمام باتیں تو محدود ترقی تک انسان کو لے جا سکتی ہیں۔ البتہ انسان اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کا نام روشن رہے اور وہ امر (IMMORTAL) ہو جائے یعنی حیات جاودانی پالے تو فی الحقیقت ترقی کی آخری منزل یہی ہے۔ اس خیال کے لوگ نام و شہرت (FAME) کو ترقی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معیار سمجھے ہیں۔

ترقی کے اتنے معیارات ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ترقی یافتہ نہیں کہہ سکتا۔ خصوصاً جبکہ دونوں کے ترقی کے معیارات مختلف ہوں —— اس لیے ترقی کا وہ معیار جس میں سب لوگ متفق ہو جائیں یہی ہو سکتا ہے کہ ان تمام مسیاق و معیارات کو یکجا کر کے حقیقی ترقی کی تعریف میں رکھدیا جاتے —— مگر اول تو انسان کی دنیوی زندگی اتنی قلیل ہے اور دوسرے یہ معیارات باہم دگر اتنے مختلف ہیں کہ کچھ میں تو مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ لہٰذا ترقی کی یہ منزل دنیا میں ناممکن ہے۔ اس لئے ترقی کی آخری منزل تصوراتی (IMAGIN ATIVE) ہی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اس بلند ترین منزل کے اہم ترین نکات پر غور کریں تو مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک ایسی زندگی جس کا آخری سرا یعنی موت نہ ہو کیونکہ انسان حیاتِ جاودانی پانا چاہتا ہے۔

(۲) ایک ایسی پرسکون زندگی جس میں ذہنی انتشار کا شائبہ تک نہ ہو اور وہ ہر طرح خوش و خرم رہے۔

(۳) ایک ایسی زندگی جس میں اس کی تمام لذّات و خواہشات پوری ہو سکیں۔

(۴) ایک ایسی زندگی جس میں کمزوری، بیماری اور تکان کا شائبہ نہ ہو اور وہ ہمیشہ صحت مند، جوان اور چست و چالاک رہے۔

(۵) ایک ایسی زندگی جس میں خود کاری (AUTOMATION) کا وہ درجہ کمال ہو کہ ہر چیز اس کی خواہش کے مطابق خود بخود مہیا ہو جاتے۔

(۶) ایک ایسی زندگی جہاں پر وہ سرعت (QUICKNESS AD FASTNESS) ہو کہ وقت کا وجود ناقابل فہم ہو جائے۔ گویا زمانی اور مکانی (SPACE AND TIME) کی بندشیں ختم ہو جائیں۔

اگر مندرجہ بالا تمام امور پوری شرح و بسط کے ساتھ کسی زندگی میں تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ زندگی فی الحقیقت انسانی ترقی کی اوجِ کمال کہی جا سکتی ہے ـــــ اور [illegible] کی رعایت رکھتے ہوئے اس منزل کو کوئی اصطلاح دی جا سکتی ہے تو وہ "جنت" [illegible] ہے۔ لہٰذا عقل کا تقاضہ ہے کہ ہر انسان اسی "جنت" کو پانے کی تمنا و خواہش کرے اور یہی اس کی آخری منزلِ مقصود ہو اور اسی حقیقی منزل کا عزم و ارادہ اس کی حیاتِ دنیوی کی تگ و دو کا محور و مرکز ہو۔

اجتماعی ترقی کی بلند ترین منزل: ایک تصوراتی خاکہ

اجتماعی ترقی کے حصول کے سلسلہ میں یہ ناگزیر ہے کہ انسانوں کے ہر شعبۂ حیات کی ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی ترقی ہو۔ نیز یہ ترقی و ارتقاء تہذیب و سماجیات کے میدان میں بھی ہو ـــــ اور علم و سائنس کے میدان میں بھی ـــــ اخلاق و روحانی ارتقاء بھی ہو اور معاشی و اقتصادی استحکام و توازن بھی۔

مختلف شعباتِ حیات کی معراج کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جا رہا ہے۔

سائنسی ترقی کی آخری منزل یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو انسان مسخر کرے ـــ وقت اور خلاء کی حدود سمٹ جائیں یعنی ہر کام بہت تیزی و سرعت سے ہو سکے اور ہر کام میں انسانوں کا حصہ (PHYSICAL AND MENTAL CONTRIBUTION) صفر (ZERO) ہو جائے ـــــ اور ـــــ ہر کام خود بخود انجام پاتے رہیں۔ انسان تمام قوانین طبعیات کا علم حاصل کر چکا ہو۔ مادہ کی حقیقت سے وہ پوری طرح واقف ہو چکا ہو۔ کائناتی مظاہر (PHNOMENA) کی ناقابلِ تحدید تفصیل معلوم ہو چکی ہو۔

حیاتیاتی اور طبی سائنس کی ترقی کی آخری منزل یہ ہو سکتی ہے کہ انسان موت پر قابو پا لے۔ [illegible] ہر مرض کا علاج معلوم ہو اور حفظانِ صحت کے تمام اصول و [illegible] ـــــ [illegible] سے نجات حاصل کر لے۔

[illegible] آخری منزل [illegible] دست و غریب نہ ہو [illegible]

© rasailojaraid.com

ہر شخص جملہ ضروریات کے حصول پر بآسانی قادر ہو ـــ معاشی واقتصادی وسائل اور مصنوعی قدرتی اشیاء کی پیداوار (PRODUCTION) اتنی کثرت سے ہو کہ معاشی جرائم کا استیصال و انسداد ہو چکا ہو۔

اخلاقی وسماجی ترقی اس حد تک ہو کہ سماج میں کوئی شخص معاشرتی مسائل (SOCIAL PROBLEMS) کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ میل جول، محبت واخوت، سکون واطمینان کا ماحول ہو ـــ اور ـــ عداوت ونفرت، حسد وکینہ، لڑائی جھگڑا، تمسخر واستہزا، عیب چینی ودل شکنی، انسانی قلوب سے گویا محو ہو چکی ہو ـــ ورنہ کم از کم ان عیوب کا اظہار شاذونادر ہی ہوتا ہو ـــ ہر شخص دوسروں کے کام آنے میں اپنی عزت سمجھتا ہو۔ اول تو اخلاقی جرائم کے سارے دروازے بند ہو چکے ہوں ـــ لیکن ـــ اگر شیطان صفت انسان سے کوئی جرم سرزد ہو جاتے تو معاشرہ میں اس جرم کو پنپنے کے تمام مواقع ـــ شروع میں نرمی وپردہ پوشی سے اور بعد میں سختی اور اظہار سزا کے ذریعہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیئے جاتے ہوں۔ سماج میں ترقی کا بلند ترین معیار اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس معاشرہ میں جرائم ڈھونڈھنے سے نہ ملیں ـــ رنگ ونسل، قوم وفرقہ، وطن وعلاقہ کے تعصبات مٹ چکے ہوں۔

معاشرہ میں اس معیار ترقی کو پانے کے لیے چند امور روز اول ہی سے بنیادی اہمیت کے حامل ہونا چاہیے۔ اولاً تنقید برائے تعمیر کی پوری اجازت ہو۔ اور اس امر میں حکمران وعلماء بھی مستثنیٰ نہ ہوں ـــ تاکہ معاشرہ کے جملہ افراد اپنی غلطیوں پر بروقت متنبہ ہوتے رہیں۔ اور معاشرہ کی ترقی کسی موقع پر بھی غلط رخ اختیار نہ کرلے ـــ ثانیاً۔ معاشرہ کے جملہ افراد میں چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر احساس ندامت ہو۔ اور مزید غلطی سے گریز کا عزم ـــ احساس عزم وارادہ کے بعد پوری طرح پُر امیدی اور اطمینان ـــ یعنی ذاتی احتساب اور غلطیوں کی اصلاح کرنے کا عزم اور ہمت ـــ سماجی ترقی اور ارتقاء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید سرعت کا باعث بنتے رہیں۔ تاکہ مستقبل میں تنزل وانحطاط کا شائبہ تک نہ رہے۔ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ ہے کہ علم و عقل اور وجدان و جذبات میں مکمل ہم آہنگی ہو نہ زیادہ معقولیت پسندی ہو اور نہ ہی بے لگام جذباتیت بلکہ ان میں فطری توازن ہو (تفصیل گزشتہ اقتباسات میں پیش کی جا چکی ہے)۔

سیاسی ترقی کی آخری منزل یہ ہے ——— کہ تمام انسان بنیادی طور سے مساویانہ طور پر کے اہل سمجھے جاتے ہوں اور سب کو مساویانہ حقوق حاصل بھی ہوں۔ سیاسی طور پر کوئی کسی کا محکوم نہ ہو۔ حکومت کے اختیار کسی مخصوص انسانی گروہ، فرقہ یا فرد کے پاس نہ ہوں۔ کوئی انسان کسی انسان کا غلام نہ ہو۔ سب کو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ فکر کی پوری اجازت ہو۔ حقیقی عدل و انصاف ہو۔

اولاً تو سیاسی اقتدار زمانی و مکانی حدود سے پاک ہو اور تمام دنیا ایک قانون، سیاست و عدالت پر عمل پیرا ہو ——— ورنہ کم از کم ——— بین الحکومتی تعلقات بہترین اخلاق کا نمونہ ہوں اور داخلی و خارجی سیاست مملکت وحدتِ انسانیت کے اصول پر مبنی اور حقیقی عدل و انصاف کی آئینہ دار ہو۔

مثالی (IDEAL) اجتماعی ترقی کے لیے یہ بھی ناگزیر ہے کہ معاشرہ کا ہر شخص انفرادی طور پر مثالی منزل کو پانے کا عزم کیے ہو۔ ورنہ اخلاقی طور پر مثالی ترقی کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے انفرادی طور پر ہر شخص کا آخری نصب العین ULTIMATIC GOAL وہ منزل ہو جس کا خاکہ انفرادی ترقی کی معراج کی شکل میں گزشتہ اقتباسات میں پیش کیا گیا۔ علاوہ بریں اجتماعی طور پر ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آئے جو انسان کی انفرادی ترقی کی پوری ضمانت دیتا ہو ——— اور ہر شخص اپنی انفرادی ترقی کے وہ طریقے اختیار کر رہا ہو ——— جو دوسرے کسی بھی فرد کی ترقی میں مانع نہ ہوں۔ اور نہ دوسروں کی ذہنی پراگندگی کے باعث سوء معاشرتی ارتقاء کی رفتار ہی سست نہ ہو گی بلکہ انسانیت کا اپنے حقیقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عروجِ کمال تک ہی پہنچنا محال ہو جائے گا۔

حقیقی ترقی کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں مذاہبِ عالم اور جدید نظریاتِ حیات کا تجزیہ

کا تجزیہ مندرجہ بالا حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر موجودہ مادی فلسفہ ہائے حیات کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو بلا خوفِ تردید عرض کیا جا سکتا ہے کہ چند گنے چُنے اصولوں کو چھوڑ کر — تمام مادیت پر مبنی نظریات وازمس (ISMS) ان رہنما اصولوں سے خالی ہیں۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے جملہ مادی فلسفہ ہائے حیات کا فرداً فرداً تجزیہ تو یہاں پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ اشتراکیت کی مثال اس غرض سے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتی ہے — کیونکہ دورِ جدید کا بیشتر تعلیم یافتہ طبقہ اس سحور کن فلسفہ کے دام میں پھنس چکا ہے۔ اشتراکیت (COMMUNISM) کے بانی کارل مارکس (CARL MARX) کا تجزیہ ہے کہ دنیا میں تمام معاشرتی خرابیوں بالخصوص طبقاتی کشمکش کی اصل جڑ معاشی عدم توازن ہے۔ اس معاشی عدم توازن کا حل وہ یہ پیش کرتا ہے کہ اگر مساویانہ تقسیم زر (EQUAL DISTRIBUTION OF MONEY AND MATERIAL-RESOURCES) کے اصول پر معاشرہ کی بنیاد رکھ دی جائے تو یہ معاشی عدم استحکام کی حالت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور معاشرہ کی جملہ اخلاقی اور سیاسی خرابیاں بھی ختم ہو جائیں گی — نیز مادی ترقی کے راستے بھی کھل جائیں گے — مگر مادی ترقی ہی کے پہلو سے غور کرنے پر مارکس کا یہ حل ناقص لگتا ہے — مادیت ہی کا علمبردار چارلس ڈارون (CHARLES DARWIN) جس کے فلسفہ سے متاثر و مرعوب ہو کر مارکس نے اپنا معاشی فلسفہ پیش کیا تھا۔ اور مارکس کے حامی ڈاروینیت (DARWINISM) کو برحق تسلیم بھی کرتے ہیں — وہی ڈارون حیوانی ارتقاء کیلئے تنازع للبقا (STRUGGLE FOR EXISTANCE) کا اصول پیش کرتا ہے —

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ظاہر ہے کہ اس فلسفہ کی رو سے باہمی مقابلہ آرائی اور مسابقت (COMPETITION) ناگزیر ہے ——— اور اس مقابلہ آرائی و مسابقت کے لیے جو ترقی کا منشاء ہے ——— یہ بھی ضروری ہے کہ مادی عدم توازن قائم رہے۔ مادی عدم توازن کے اثبات سے ہماری غرض یہاں وہی تحریک مسابقت (COMPETING POWER) ہے۔ اس طرح ہم غور کر سکتے ہیں کہ مادی ارتقاء کے لیے مساویانہ تبادلۂ زر (EQUAL DISTRIBUTION OF MONY AND RESOURSES) کے بجائے منصفانہ و عادلانہ تبادلۂ زر (JUST AND HONEST DISTRIBUTION OF RESOURCES) زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ رہا معاملہ طبقاتی کشمکش کا ——— تو صحیح و راست اخلاقی و روحانی اصول تمام معاشرتی خرابیوں کے سدِ باب کی مکمل قدرت رکھ سکتے ہیں ——— بشرطیکہ وہ اصول فطرت کے عین مطابق اور متوازن ہوں ——— ان اصولوں کی جھلک اجتماعی ترقی کے ضمن میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان مادی نظریات کی حقیقت ایک نوبل انعام یافتہ عالم ڈاکٹر الکسس کاریل (ALEXIS CARREL) کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔ وہ اپنی کتاب "انسان نامعلوم" (MAN THE UNKNOWN P. 37) میں مادی نظریات کی بے مائیگی اور کھوکھلے پن کی حقیقت ان الفاظ میں واشگاف کرتا ہے کہ "فرانسیسی انقلاب کے اصول اور مارکس اور لینن کے نظریات محض ذہنی اور قیاسی انسانوں پر منطبق ہو سکتے ہیں، اس بات کو صاف طور پر محسوس کرنا چاہیے کہ انسانی تعلقات کے قوانین (LAWS OF HUMAN-RELATIONS) اب تک معلوم نہیں ہو سکے ہیں، سماجیات اور اقتصادیات کے علوم محض قیاسی ہیں اور ناقابلِ ثبوت ہیں"

یہاں تک تو معاملہ تھا مادی نظام ہائے حیات کا ——— اب اگر بیشتر موجودہ روحانی و الہامی مذاہب کا تجزیہ کریں ——— تو مزید مایوسی ہوتی ہے ——— کیونکہ ان کے نزدیک دنیوی ترقی عموماً "گناہ" کے زمرہ میں آتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثالی ارتقاء اور اسلام

مگر جب اسلام کا علمی اور تاریخی تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ تمام رہنما اصول ـــــ جو ترقی کے لیے درکار ہیں ـــــ اسلام میں پوری طرح وابستہ کے ساتھ ملتے ہیں ـــــ یہاں ایک مثالی معاشرہ کی تاریخی حقیقت بھی جھٹلائی نہیں جا سکتی۔ دو حدود سطیں "مادی ترقی کی معراج" بھی ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ موجود ہے ـــــ انفرادی ترقی کی آخری منزل "جنت" ہے جس کے آگے کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا ـــــ مزید برآں اسلام ہی کا ایک اہم عقیدہ یہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسانی تعرف کے لیے پیدا کی گئی ہے ـــــ اسلام انسانوں کو "اشرف المخلوقات اور "خلیفۃ اللہ فی الارض" کا شرف عطا کرتا ہے۔ اور اشرف المخلوقات ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ انسان کائنات کی تسخیر کرے اور کائنات کے تمام رازہائے سر بستہ کا سراغ لگائے۔ اسلامی اصولوں پر غور کرنے سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ اسلامی حدود و قیود کا مقصد اولیں انسانی ترقی کی زیادہ سے زیادہ راہیں کھولنا ہیں۔

سب سے زیادہ منفی حد جو عورتوں کے بارے میں معترضین کی طرف سے موجب حرف بنتی ہے ـــــ وہ اصولِ حجاب ہے۔ آئیے غور فرمائیے کہ ایسا معاشرہ جس میں انفرادی و اجتماعی ترقی ہی مقصد اولیں قرار پائے ـــــ وہ ترقی کی کسی بھی رکاوٹ کو ـــــ چاہے وہ نفسیاتی نوعیت کی ہو یا مادی نوعیت کی ـــــ کس طرح برداشت کر سکتا ہے لہٰذا منفی جذباتی تحریک اس کے لیے ناقابلِ قبول ہو گی۔ جس سے وقت، ذہن اور صلاحیتوں کے ضیاع (WASTAGE AND. LOSS) کے امکانات بڑھیں ـــــ اس وجہ سے تعمیر و ترقی کی راہ کے اہم و قیمتی اوقات و لمحات ـــــ اور ـــــ بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوئی بھی دقت و رخنہ DIVERSION ایسا معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ گزرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان یکسو اور خالی الذہن ہو کر کام کرے ـــــ جبکہ بے حجابی سے مردوں کی خواہشات نفسانی کا بھڑکنا ایک فطری امر ہے ـــــ معترضین کی دلیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافِ حجاب تعصب ہے کہ عادتِ بے حجابی مردوں کی خواہشاتِ نفسانی کو ہوا دے گی ۔ کیونکہ جس وقت قانون حجاب نافذ کیا گیا تھا اس کا سب سے بڑا محرک بے حجابی سے پیدا شدہ اخلاقی خرابیاں ہی تو تھیں جس کے سدِ باب کے لیے یہ قانون نافذ کیا گیا تھا۔

اسلام عورتوں اور مردوں کی عین فطرت کے مطابق ان کی گوناگوں ترقی (NATURAL DEVELOPMENT AND GROWTH) کے لیے مختلف میدانِ کار متعین کرتا ہے ——— اور ساتھ ہی اتنی سخت بندشیں بھی عائد نہیں کرتا کہ فطری ارتقاء کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے اور ان کی صلاحتیں پوری طرح پروان نہ چڑھ سکیں۔

اسلام ——— ایسے اخلاقی قوانین پیش کرتا ہے جو ترقی کے ساتھ ساتھ بین الانسانی تعلقات کے بہترین اور غیر متغیر اصول ہیں ——— وہ احترام نفس اور احترام انسانیت پر مبنی بہترین و متوازن اصول متعین کرتا ہے ——— اور بقائے ذات کی رعایت رکھتے ہوئے ——— انفرادی، اجتماعی اور نوعی بقا کے پورے دروازے کھول دیتا ہے۔ وحدت اللہ اور وحدتِ انسانیت کی بنیاد پر فطرت انسانیت سے ہم آہنگ قوانین حیات کا علمبردار ہے۔ صرف ایک خدا یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، مالک، حاکم، مقتدر اعلیٰ، قانون ساز، مطاع اور معبودِ حقیقی تسلیم کرتا ہے۔ اور وحدتِ انسانی سے متعلق سارے حقوق مثلاً حریت، اخوت، مساوات، انسانی شرافت ——— اور رفعت و عظمت وغیرہ کی بہترین انداز میں ضمانت دیتا ہے ——— مادیت و روحانیت کا بہترین امتزاج ہے اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے ——— اس نظامِ حیات کی نہج پر زندگی تشکیل دینے کے بہترین نتائج ——— یعنی انسانوں اور انسانیت کی مثالی ترقی ——— ایک تاریخی حقیقت ہے جو اس کی حقانیت کی ایک واضح دلیل ہے۔

اسلام کے پاس "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی شکل میں ایک ایسا مثالی عملی نمونہ بھی موجود ہے جس کی مثال تاریخ انسانی آج تک دینے سے قاصر ہے۔ کیونکہ —

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپؐ کی سیرت ہی میں جامعیت، کاملیت، عملیت اور تاریخیت کے جملہ عناصر پوری طرح آب و تاب کے ساتھ موجزن ہیں ــــ آپؐ ایک شفیق باپ - ایک ہمدرد شوہر، ایک عزیز بھائی، نیک سعادت مند اولاد، اور ایک ہمدرد و عزیز پڑوسی کی حیثیت سے بھی تاریخ کے صفحات میں نظر آتے ہیں تو دوسری طرف حق کے معاملہ میں صبر و ثبات اور عزیمت کے پہاڑ ــــ اور دشمنانِ خدا اور دشمنانِ انسانیت کے خلاف سخت، صاف گو اور ہر قسم کی مداہنت و نرمی سے کوسوں دور اور ہمت و شجاعت کے شہ سوار بھی ہیں۔ آپؐ کی سیرت کی جامعیت و کاملیت کا تو یہ حال ہے کہ آنحضورؐ کی پیغمبرانہ زندگی کے مکی دور میں آپؐ ایک مغلوب، کمزور اور مستضعف کی حیثیت سے اُسی قرآنی اخلاق کے نمائندہ ہیں جس اخلاق و پاکیزگی کی جھلک آپ کی مدنی زندگی میں ایک فاتح مکہ و خیبر، سپہ سالارِ غزوات، حاکمِ عرب، مدبرِ مملکت، رہنمائے ملک و قوم اور قائدِ اسلام ــــ کی شکل میں ملتی ہے۔ آپؐ کی خانگی زندگی میں افلاس، قرض، جسمانی و ذہنی اذیتیں، موت اور جنگ کے روح فرسا مناظر بھی ہیں اور مالِ غنیمت و ہدایا اور زکوٰۃ و صدقات کے ڈھیر - نیز فتح و ولادت اور شادی وغیرہ کی خوشیاں بھی ــــ اور ان دونوں مواقع پر آپؐ انھیں اصولوں پر کاربند رہیں جن کی آپؐ نجی محفلوں میں یا اجتماعی مجلسوں میں تعلیم دیتے ہیں - آپؐ کی جامع، کامل اور عملی شخصیت ہی کے طفیل عرب کی جاہل، لڑاکو، بد تہذیب اور بانجھ قوم میں اسلام کا نہ صرف روحانی و مذہبی انقلاب آیا ــــ بلکہ بیک وقت معاشی و اقتصادی انقلاب، تہذیبی و ثقافتی انقلاب، علمی و فکری انقلاب، اخلاقی و معاشرتی انقلاب اور سب سے بڑھ کر سیاسی و قانونی انقلاب بھی آیا۔

اسلام ہی وہ واحد نظریۂ حیات اور نظامِ حیات ہے جو بیک وقت انسانی جسم و ساخت کی تعمیر ــــ انسانی اخلاق و روح کی تعمیر ــــ انسانی فرد و معاشرت کی تعمیر ــــ اور انسانی عقل و شعور کی تعمیر ــــ بہترین، متوازن اور فطری طریقوں سے اس طرح کرتا ہے کہ ترقیوں کی منازل تیز گامی سے آتی چلی جاتی ہیں ــــ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ساتھ ہی ایسی تنزل و انحطاط اور ضد یا ردِ عمل (REACTION) کی گنجائش بھی منطقی طور سے نہیں ہوتی۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اسلام کے تمام اصول ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہوتے ہیں — اور وہ ہے — انسانی وجود کا مثالی ارتقاء۔ (IDEAL — DEVELOPMENT OF HUMAN BEING AND HUMANITY)

اگر ہمیں (انسان نامعلوم (MAN THE UNKNOWN) کے فاضل مصنف ڈاکٹر الکسس کاریل کے اس جملہ — "اس بات کو صاف طور پر محسوس کرنا چاہیے کہ انسانی تعلقات کے قوانین (LAWS OF HUMAN RELATIONS) اب تک معلوم نہیں ہو سکے ہیں" — میں چند اضافوں کا حق ہوتا تو ہم اپنے تجزیہ کی روشنی میں اس کو اس طرح پیش کرتے کہ — "اس بات کو صاف طور پر محسوس کرنا چاہیے کہ انسانی تعلقات کے قوانین — جو زمانی تغیرات کے باوجود صدیوں انسانی عقل و وجدان کو اپیل کرتے رہے ہوں۔ اور آج بھی انسان کی انفرادی و اجتماعی اور ہمہ جہتی ترقی کے لیے موزوں ترین ہوں — 'اسلامی قوانین کے سوا' — اب تک معلوم نہیں ہو سکے ہیں۔"

غیر مشاہداتی حقائق اور سائنس

گزشتہ بحث میں اسلام کے مختلف پہلو سامنے آ چکے ہیں۔ بنیادی طور پر اس سلسلہ میں معترضین حضرات خدا کے وجود اور جنت و دوزخ کے متعلق خصوصاً سوال اٹھاتے ہیں۔ اور ان غیر مشاہداتی حقائق کی رد میں سائنس کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس بحث کا سلبی پہلو پیش کریں گے[1]

اکثر لوگوں کو یہ پڑھ کر تعجب ہو گا کہ ایمان بالغیب[2] (یعنی غیر مشاہداتی حقائق کو بغیر دیکھے مان لینا)

---

[1] خدا کے وجود کا ایجابی پہلو، مصنف کے مضمون بعنوان "خدا کو مانے بغیر پائیدار امن ممکن نہیں" مطبوعہ رسالہ "زندگی" جنوری و مارچ ۱۹۸۱ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] یہاں ایمان بالغیب سے اصطلاحی ایمان بالغیب اور 'مومن' سے اصطلاحی 'مومن' مراد نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب ہی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ سائنسداں بھی اس کے بغیر تحقیقات کے میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم مثال کے طور پر ڈالٹن کے ایٹمی نظریہ (DAT TONS ATOMIC THEORY) ہی کو لیتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق ہر عنصر (ELEMENT) اپنے مخصوص حقیر ترین ذرات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان ذرات کو ڈالٹن نے ایٹم (ATOM) کا نام دیا۔ یہ ذرات اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ موجودہ دور کی طاقت ور ترین خوردبین یعنی الیکٹرانی خوردبین (ELECTRON — MICROS COPE) — کے ذریعہ بھی اب تک نہیں دیکھے جا سکے۔ جبکہ یہ نظریہ آج سے تقریباً دو صدی قبل منظر سائنس پر آیا تھا۔

غور فرمائیے کہ ڈالٹن نے تو یہ بھی دعویٰ نہیں کیا تھا کہ میں نے ایٹم کو دیکھا ہے۔ مگر پھر بھی آج تک کوئی سائنس داں ایسا نہیں ہے جو اس نظریہ کو نہ مان رہا ہو۔ اور اس نظریہ کی اندھی تقلید (BLIND FAITH) یا ان دیکھی تقلید نہ کر رہا ہو۔ ایٹم تو کجا اس سے بھی چھوٹے ذرات پر مثلاً الیکٹران (ELECTRON) پروٹان (PROTON) اور نیوٹران (NEU TRON) کے وجود پر موجودہ سائنسداں یقین رکھتے ہیں۔ اور زمانہ حال کے سائنسدانوں کے تخیلاتی عروج کا تو یہ عالم ہے کہ پروٹان اور نیوٹران یعنی نیوکلیس (NEU CLEUS) کے ان حقیر ذرات تک کو مزید حقیر تر ذرات میسان، میو آن، پائی آن وغیرہ میں تقسیم کر دیا ہے۔ جبکہ ان ذرات کو ماننے کے بعد ڈالٹن کی جزوی تردید کرنا ہے کہ "ایٹم کسی بھی عنصر کا سب سے چھوٹا اور ناقابلِ تقسیم ذرات ہے۔" بلکہ جے۔ ڈبلیو۔ این سلیوان (J-W-N-SULLIVAN) اپنی کتاب سائنس کی محدودیت (LIMI TATIONS — OF SCIENCE P. 158) میں یہاں تک لکھتا ہے کہ "ایک صحیح سائنسی نظریہ محض یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک کامیاب عملی مفروضہ (SUCESSFUL WORKING — HYPOOTHESIS) ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ تمام سائنسی نظریات اصلاً غلط ہوں۔ جن نظریات کو آج ہم تسلیم کرتے ہیں وہ محض ہمارے موجودہ حدودِ مشاہدہ کے اعتبار سے

باقی صفحہ پر

© rasailojaraid.com